ڈاکٹر محمد عبد القدوس

اسلام میں دولت کی عادلانہ تقسیم

اسلام میں قرض دے کر سود (ربو) لینا ممنوع ہے اور قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر اس کا ذکر ہے ——— سود کے ناجائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنی کوشش اور جدوجہد کے بغیر سود لے کر اس مال میں حصے دار بن جاتا ہے جو قرض لینے والے کی ذاتی کوشش سے پیدا ہوتا ہے جب روپیہ کوشش کے بغیر خود بخود نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے تو قرض دینے والے کے اس روپیہ میں جو اس نے بطور قرض کسی کو دیا ہے، زیادتی کیوں ہو اور اس کو سود کیوں ملے ؟ جو روپیہ اس کو سود کی صورت میں ملتا ہے وہ اصل میں چوں کہ قرض لینے والے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے قرآن نے سود لینے کو ظلم قرار دیا ہے اور قرآن ہی کے مطابق اللہ کے بندوں پر اس طرح ظلم کرنا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ (البقرہ : ۲۷۹) اس کے برعکس تجارت کو جو اللہ کے بندوں کی ایک خدمت ہے جائز قرار دیا گیا ہے۔ (البقرہ : ۲۷۵ - النساء ۲۹)

تاجر ضرورت کی چیزیں خریداروں تک پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں، اس لیے ضرورت کی ان چیزوں کو حاصل کرنے اور پھر ان کو خریداروں تک پہنچانے کے کام کا کوئی نہ کوئی مناسب معاوضہ تاجر کو ملنا چاہیے جو اس کو قیمت کی صورت میں ملتا ہے۔ تاجر جو روپیہ اپنے مال کی قیمت کے طور پر خریدار سے حاصل کرتا ہے، وہ بھی چونکہ خریدار کی کوشش ہی سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے خرید و فروخت کے معاملے میں تاجر اور خریدار دونوں اصل میں اپنی اپنی کوشش کا ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ کرتے ہیں۔ نہ صرف وہ روپیہ جو خریدار قیمت کے طور پر تاجر کو ادا کرتا ہے، خریدار کی جدوجہد سے پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ روپیہ بھی کسی نہ کسی جدوجہد ہی سے پیدا ہوتا ہے جو کارخانہ دار، مزدور کو اس کے کام کے عوض دیتا ہے، اور جس طرح تاجر اور خریدار ایک دوسرے کے ساتھ کام کا کام سے مبادلہ کرتے ہیں، اسی طرح کارخانہ دار اور مزدور

بھی کام کا مبادلہ کام ہی سے کرتے ہیں ۔ اگر یہ مبادلہ فریقین کی باہمی رضامندی اور خوشی کے ساتھ ہو تو ں کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں ان میں سے کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہوئی اور یہ مبادلہ ٹھیک ہوا۔ اگر تاجر یہ دیکھے کہ خریدار، اس شے کا جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، پورا پورا معاوضہ قیمت کی صورت میں ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو وہ اپنی اس شے کو فروخت ہی نہیں کرے گا، اور اسی طرح اگر خریدار یہ دیکھے کہ جو قیمت کسی شے کی اس سے طلب کی جا رہی ہے، وہ زیادہ ہے تو وہ بھی ایسی شے نہیں خریدے گا ۔ لیکن اگر بعض موقعوں پر خریدار کو زیادہ قیمت دینے پر مجبور کیا جائے تو اس جبر کا کوئی جواز نہیں ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ ناجائز طور پر نفع کمانے کے لیے ذخیرہ اندوزی، اسلام میں اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے ۔ حضور کے الفاظ یہ ہیں :

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ قال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

فرمایا کاروبار میں محنت کرنے والا رزق سے نوازا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے ۔

قرآن حکیم اسی تجارت کو جائز قرار دیتا ہے جس میں حصہ لینے والے دونوں فریق اپنے اس معاملے پر دل سے خوش ہوں اور کسی کو بھی دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانے کا موقع نہ ملے ۔ (النسا : ۲۹) قرآن حکیم نے ایک عام حکم کے ذریعے ایمان داروں کو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے منع کیا ہے ۔ (البقرہ : ۱۸۸) سود لینا ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال کھانے کی ایک خاص صورت ہے اور تاجروں کا مصنوعی طریقوں سے چیزوں کی قیمت بڑھا کر ان کو گراں بیچنا یا تجارت میں دھوکا دینا (کم تولنا، کم ناپنا، آمیزش کرنا، یا جس چیز پر معاملہ طے ہو اس کی بجائے کوئی دوسری چیز خریدار کو دینا) مزدوروں یا ملازموں کو (خواہ وہ کسی حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی ادارے اور کارخانے سے) کم اجرت یا معاوضہ دینا یا ان کا زیادہ اجرت اور معاوضہ لینا، کارخانہ داروں کا کارخانے کے مال کو زیادہ قیمت پر بیچنا تاکہ اس سے خود بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور قرض لی ہوئی رقم کا سود بھی ادا کریں ۔ زمین داروں کا کسی استحقاق اور کاشت کاروں کے ساتھ تعاون کے بغیر زمین کی پیداوار میں شریک ہونا، جوئے میں روپیہ جیتنا، رشوت لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا وغیرہ، دوسروں کا مال ناجائز طریقوں سے کھانے

کی مختلف صورتیں ہیں، جس طرح ناحق دوسروں کا مال کھانا جائز نہیں، اسی طرح مردوں عورتوں کو غلام بنانا یا ان سے بہ جبر واکراہ اپنی مرضی کے مطابق کام لینا بھی جائز نہیں اور یہ بھی دوسروں کا مال کھانے کے برابر بلکہ اس سے بھی بُرا ہے۔

ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھانے اور دوسروں پر ظلم کرنے اور انسانی مساوات کا احترام نہ کرنے ہی کی وجہ سے انسانی معاشرہ مختلف طبقوں میں بٹ جاتا ہے، جن میں سے ایک طبقہ عمدہ غذاؤں، عالی شان محلوں، قیمتی ملبوسات اور آرام و آسائش کی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے تو ایک دوسرا طبقہ فاقہ کشی اور نکبت وافلاس میں مبتلا رہتا ہے۔

جن لوگوں کو اسلام نے ابتدا میں غلام بنانے کی اجازت دی ان کے بارے میں ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح آزاد مرد اور آزاد عورتیں اللہ کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں، اسی طرح یہ غلام اور لونڈیاں بھی جو جنگ میں مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آتے تھے، اللہ ہی کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم کی اس تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے (الذاریات : ۵۶)۔ مسلمان کس طرح اپنے غلاموں سے ایسے کام لے سکتے ہیں جو اللہ کی عبادت کے منافی ہوں؟ اللہ کی راہ میں ہونے والی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آنے والے غیر مسلم مردوں اور عورتوں کو مسلمانوں کی غلامی میں اس لیے نہیں دیا جاتا تھا کہ مسلمان ان پر ظلم کریں یا وہ ان کو کفر کی یا فسق و فجور کی راہوں پر چلائیں، بلکہ ان کو مسلمانوں کی غلامی میں اس لیے دیا جاتا تھا کہ اس میں یہ مصلحتیں تھیں کہ وہ آزاد رہنے کی وجہ سے، تیار ہو کر دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکیں، ان کو مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ایک اچھی اسلامی زندگی کے مطالعے کا موقع مل سکے اور وہ ان مسلمانوں کے معین و مددگار بن سکیں جن سے وہ ناحق جنگ کرتے اور جن کو طرح طرح کے مصائب سے دوچار کر دیتے تھے۔

ابتدا میں ان غیر مسلموں کو جو جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آتے تھے مسلمانوں کی غلامی میں دینا نامناسب نہ سمجھا گیا لیکن بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کم از کم عربوں کو غلام بنانے کی ممانعت کر دی گئی۔ انہی غلاموں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسلمان جو خود کھاتے ہیں وہی اپنے غلاموں کو کھلائیں اور جو خود پہنتے ہیں وہی ان کو پہنائیں۔

الفاظ یہ ہیں:

اتقاء کم ارقاء کم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون (متفق علیہ)

یعنی اپنے غلاموں کا خاص طور سے خیال رکھو، ان کو وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

آنحضرتؐ نے مسلمان صالح غلاموں کو یہ بشارت بھی دی کہ ان کو اللہ کے پاس دُگنا اجر ملے گا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

۹۔۔۔۔ والعبد المملوك اذا ادّی حق اللہ وحق موالیہ ورجل کانت لہ امتہ فادبہا فاحسن تادیبہا وعلمہا فاحسن تعلیمہا ثم اعتقہا فتزوجہا فلہ اجران۔ (بخاری، مسلم)

یعنی جو غلام اللہ کا اور اپنے مالک کا حق ادا کرے اور اگر کسی کے پاس کوئی کنیز ہو، اس کو وہ اچھی طرح ادب آداب سکھائے اور اس کو اچھی تعلیم دلائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

مسلمان اپنے غلاموں کو انسانوں کی حیثیت سے اپنے برابر ہی سمجھتے تھے اور اسی بنا پر مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ ان کو آزاد کریں۔ مسلمانوں نے اپنے معاشرے میں ان کو ہر وہ عزت دی جس کے وہ مستحق تھے۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں تو غلام ہونے کے باوجود وہ ان کے بھائی ہوتے ہیں۔ (الحجرات: ۱۰) تمام مسلمانوں کی طرح ان کی عزت کا دار و مدار بھی عمل اور تقوے ہی پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس خطاب میں کہ "تم میں سب سے زیادہ قابلِ عزت و احترام وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔" (الحجرات: ۱۳) صرف آزاد مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ غلام بھی (اس خطاب میں) داخل ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ غلامی کی اجازت دینے کے باوجود قرآن حکیم میں وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ (البلد: ۱۲، ۱۳) کہہ کر اللہ نے یہ ظاہر کر دیا کہ غلامی سے کسی کی گردن چھڑانا اللہ کی راہ میں چلنے کا آسان اور معمولی کام نہیں بلکہ ایک دشوار راہ کو عبور کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا ہی اہم فرض ہے جیسا ایک بھوکے یتیم و مسکین کو کھلانا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور غلامی سے انسانوں کی گردن چھڑانے ہی کی خاطر اللہ کی طرف سے

مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ بیت المال میں جمع ہونے والے مال کا ایک حصہ اس کام میں بھی استعمال کیا جائے۔

جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے، ان کو اسلام نے انسانوں کی حیثیت سے مردوں کے برابر قرار دیا۔ البتہ ان کی بعض خصوصیات کی وجہ سے مردوں کو ان کا نگران اور محافظ بنایا۔ عورتیں مردوں کی طرح میراث میں حصہ پاتی ہیں جو مردوں کے حصے سے کم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مہر بھی ملتا ہے اور ان کے نان و نفقہ کی ذمے داری بھی ان کے مردوں ہی پر ہوتی ہے۔ عدل کے اعتبار سے کسی عورت کا قاتل اگر مرد ہو تو اس کی سزا میں قاتل مرد کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اگر عورتوں اور مردوں میں مساوات نہ ہوتی تو اسلام میں قاتل کی یہ سزا نہ ہوتی۔ اسی طرح اگر مردوں کو طلاق دینے کا حق ہے تو عورتوں کو خلع لینے کا حق ہے۔ تعلیم بھی صرف مردوں پر فرض نہیں بلکہ عورتوں پر بھی مردوں ہی کی طرح فرض ہے۔

دولت چونکہ صرف کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے کام کرنے والوں میں دولت کی عادلانہ تقسیم اس طرح ممکن ہے کہ دولت ہر شخص کے کام کے تناسب سے تقسیم ہو، یعنی جو شخص جتنا کام کرتا ہے اس کو اتنی ہی دولت کام کے معاوضے کے طور پر پانے کا مستحق قرار دیا جائے۔ دولت کی عادلانہ تقسیم میں ایک مشکل اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ دولت اور کام دونوں مختلف نوعیتوں کے ہوتے ہیں، مثلاً کسی شخص کے پاس دولت سونے یا چاندی کی شکل میں ہوتی ہے، کسی کے پاس مویشی اور پالتو جانوروں کی شکل میں، کسی کے پاس اناج اور غلے کی صورت میں اور کسی کے پاس آلات اور مشینوں کی صورت میں۔ اسی طرح کاشت کار کا کام اس شخص کے کام سے مختلف ہوتا ہے جو کسی کارخانے میں مزدور کی حیثیت سے کام کرتا ہے، اور جو شخص ایک دفتر میں کام کرتا ہے اس کا کام کاشت کار اور مزدور دونوں کے کام سے مختلف ہوتا ہے۔ مختلف اشخاص کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے ہم ان کی دولت کو جو مختلف شکلوں میں پائی جاتی ہے، روپے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور اس کے بعد یہ پتا چلاتے ہیں کہ کس کے پاس کتنی دولت ہے۔ مختلف نوعیتوں کے کاموں کا اندازہ کرنے کے لیے بھی ہم اس کو اسی طرح کا کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے مختلف نوعیتوں کے کاموں کو ایک ہی نوعیت کے کام میں تبدیل کر دیں۔ (اگر ہمارے پاس مختلف قیمتوں کے سکے ہوں تو اس وقت بھی ہم ان سکوں کو ایک ہی قیمت کے

سکوں میں تبدیل کر دیتے ہیں) اور پھر اس مخصوص نوعیت کے کام کی کسی چھوٹی مقدار کو ایک یونٹ تصور کر کے کام کی چھوٹی بڑی مقداروں کو ناپیں۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ کس نے کتنا کام کیا ہے تو پھر یہ معلوم کرنا آسان ہوگا کہ کسی جگہ کام کرنے والوں نے جو دولت مجموعی طور پر پیدا کی ہے اس میں ان کام کرنے والوں میں سے ہر ایک کا کتنا حصہ ہے۔ مختلف نوعیت کے کاموں کو ایک ہی نوعیت کے کام میں تبدیل کرنے کے لیے مختلف چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مثلاً یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک شخص کسی کام میں کتنی قوت اور کتنا وقت صرف کرتا ہے اور یہ کہ کسی کام کی قابلیت یا مہارت پیدا کرنے کے لیے اس کو کتنا وقت اور کتنا روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے اور کتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ کہ کسی کا کام کرنے والے کی زندگی اور عمر پر کیا اثر ہوتا ہے وغیرہ۔ اجرتوں کی نگرانی اور ان کو معین حدوں سے بڑھنے نہ دینا حکومتوں کا کام ہے۔ اگر حکومتیں اجرتوں اور قیمتوں کی نگرانی اور ان پر کنٹرول نہ کریں تو اس کا لازمی نتیجہ گرانی کی صورت میں نمودار ہوگا۔ گرانی اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ مزدور اور تاجر بغیر کسی اصول کے اپنی اجرتیں اور قیمتیں بڑھائیں جبکہ وہ ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ قیمتوں کے بڑھنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو عام طور پر یہ ہوتی ہیں کہ کسی ملک کی پیداوار یعنی خام پیداوار یا مصنوعات بیرونِ ملک زیادہ قیمت حاصل کرنے کی خاطر یا ملک ہی میں ان کی قیمت بڑھانے کی خاطر اسمگل کی جائیں یا ملک کی ضرورت کو نظر انداز کر کے ان کو برآمد کیا جائے یا ان کی ذخیرہ اندوزی کی جائے یا پیداوار کو خواہ زرعی پیداوار ہو یا مصنوعات کی پیداوار ہو گھٹا یا جائے، مثلاً مصنوعات پر کسی کارخانہ کے مالک یا مالکوں کا اجارہ ہو اور یہ اجارہ دار اس کی پیداوار کو اس لیے گھٹا دیں کہ اپنی مرضی کے مطابق قیمتیں وصول کریں جب کہ لوگ انہی کو لینے پر مجبور ہوں یا کسی ملک کے سکے کی قیمت بہت کم ہو یا اس کو بڑی قیمتیں دے کر مال درآمد کرنا پڑتا ہو اور وہ اپنے خسارے کو پورا کرنے کے لیے اپنے مال کی قیمتیں بھی بڑھا دیں یا آبادی کے ایک حصے کی قوتِ خرید بہت بڑھ جائے اور تاجر سب ہی سے زیادہ قیمت وصول کریں جب کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہوں اور مال کی رسد کو گھٹا بڑھا سکیں۔ قدرتی اسباب میں سے قحط بھی گرانی کا سبب ہو سکتا ہے۔ دولت کی عادلانہ تقسیم میں جہاں یہ ضروری ہے کہ قیمتوں اور اجرتوں کو معین کردہ حدوں سے بڑھنے نہ دیا جائے وہاں مبادلۂ دولت میں دو مختلف ملکوں کے سکوں کی قیمت کا تعین بھی اصول عدل کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ

ایک ملک کے سکے کی قیمت کسی دوسرے ملک کے اسی وزن اور دھات کے سکے کی قیمت کے مقابلے میں کم یا زیادہ ہو۔ ایک ہی دھات کے مساوی وزن رکھنے والے سکوں کی قیمتیں گھٹانا بڑھانا زیادتی ہے۔ اگر اس طرح کسی ملک کے سکے کی قیمت کسی دوسرے ملک کے سکے کی قیمت کی آدھی ہو جائے تو وہ ملک جس کے سکے کی قیمت نصف ہو جائے جو چیز پہلے ایک ہزار میں درآمد کرتا تھا وہی چیز اب دو ہزار میں درآمد کرے گا اور وہ ملک جس کے سکے کی قیمت زیادہ ہے اس ملک سے جس کے سکے کی قیمت کم ہے ایک ہزار قیمت رکھنے والی شے پانچ سو ہی میں خرید سکے گا۔ لیکن اگر کسی ملک میں خسارے سے بچنے کے لیے پانچ سو کی چیز کی قیمت بڑھا کر ایک ہزار کر دی جائے تو کسی چیز کی قیمت اس طرح بڑھ جانے کا اثر یہ ہو گا کہ اس ملک کی دوسری چیزوں کی قیمتیں بھی بڑھا دی جائیں گی۔

جس طرح کسی کے مال میں کام کیے بغیر حصے دار بننا یا کسی سے بہ جبر و اکراہ کام لینا جائز نہیں، اسی طرح مال و دولت پیدا کرنے کے لیے کوئی ایسا کام کرنا یا دوسروں سے لینا یا کسی ایسے کام میں کسی کی مدد کرنا بھی جائز نہیں جو گناہ ہو۔ مثلاً نااہل ہونے کے باوجود اسلامی مملکت میں کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ مقام یا منصب یا ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اس پر فائز رہنا یا کوئی مقام یا منصب یا ملازمت حاصل کرنے کے بعد مملکت اسلامی کی پولیس، فوج اور ملازمین سے ایسے کام لینا جو شرعِ اسلامی میں یا قانوناً ممنوع ہوں، قرآنِ حکیم کی لفظی یا معنوی تحریف کرنا یا دین کی شکل و صورت کو مسخ کرنا یا مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے اور پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرنا یا دوسروں کے ساتھ اور خاص طور پر دشمنانِ اسلام کے ساتھ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنا یا نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ساتھ نہ دینا، ممنوع یا نشہ والی چیزوں کی کاشت کرنا، ان کو بنانا یا ان کی خرید و فروخت کرنا، جھوٹی شہادت دینا، رشوت لینا، عصمت فروشی، ناچنا گانا جو زنا سے قریب کرے، فحش اور عریاں فلمیں دکھانا، فحش نگاری، پوچ اور رکیک شاعری، ناپسندیدہ اور جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی مصوری، مجسمہ سازی وغیرہ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کاموں کا تقوے اور طہارت سے کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں ہوتا۔ جرم چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی۔ جو جرم جتنا بڑا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا ہے۔ بڑے جرم وہی ہوتے ہیں جن سے اللہ کی مخلوق کو زیادہ نقصان پہنچتا ہو۔

ان گناہوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے اسلامی مملکت میں نا اہل ہونے کے باوجود کوئی اعلیٰ مقام یا منصب حاصل کرنا، اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے قومی مقاصد کی راہ میں روڑا اٹکانا ہے، اس لیے بہت بڑا گناہ ہے جس کا ارتکاب خلافتِ راشدہ کے بعد اکثر و بیشتر ہوتا رہا ہے۔ اسی قسم کے لوگ دنیا حاصل کرنے کے لیے پارٹی حکومت بنا لیتے ہیں۔

اگر بعض کام روپے پیسے کے لیے بھی نہ ہوں اور بظاہر گناہ بھی معلوم نہ ہوتے ہوں بلکہ دل بہلانے اور طبیعت کو خوش کرنے کے لیے ہوں تو بھی ممنوع ہیں جب کہ ان میں حصہ لینے کے سبب ضروری اور اہم کاموں کے لیے وقت نہ ملتا ہو یا کم ملتا ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ

محمد اسحاق بھٹی

اس کتاب میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر (۱۱۱۸ھ) کے عہد تک کی تمام فقہی مساعی کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند علمِ فقہ سے کس طرح روشناس ہوا، یہاں کے علما و زعما نے کس محنت و جاں فشانی سے اس کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا اور کن اہم فقہی کتابوں کی تدوین کی۔ برصغیر پاک و ہند کے جن سلاطین کے دورِ حکومت میں کتبِ فقہ مرتب کی گئیں، ان کے عہد اور طریقِ حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانے کے علمائے کرام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و ربط رکھتے تھے۔ پھر فقہ کی جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے اس کے اہم اقتباسات بھی فاضل مصنف نے درج کتاب کیے ہیں۔ آخر میں فقہ کی ان مشہور اکیاسی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، جو مختلف ملکوں میں تصنیف کی گئیں اور جن کو مسائلِ فقہ کے اصل ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اس موضوع سے متعلق اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔

صفحات ۳۰۸ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور